© rasailojaraid.com

دورِ جدید میں اسلامی قانون (فقہ)

از : پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیات کی وجہ سے دنیا میں جو غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں انھوں نے سماج کے قدیم معاشرتی اور معاشی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے۔ اُن اخلاقی اور مذہبی روایات و اقدار کی جگہ، جن کا اب تک معاشرہ میں ایک اہم مقام تھا اور جن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، نئی اقدار نے لینا شروع کر دی ہے۔ اس صورت حال نے جو کہ تمام مذاہب کے لیے یکساں طور پر پریشان کن ہے اسلام کو بھی ایک اہم سوال سے دو چار کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ کیا اسلام جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے باعث ہدایت ہے، جدید تہذیب و تمدّن کے اس چیلنج کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکتا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس پر راقم السطور اس

نوٹ: استاذ معظم پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی صاحب مدظلہٗ کا مقالہ انگریزی میں دگیان بھون نئی دہلی میں منعقدہ بین الاقوامی سمینار میں جو کہ ۲۸، ۲۹، ۳۰ جنوری ۱۹۸۱ء کو ہوئی تھی، پڑھا گیا تھا۔ معظم و مکرم جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہٗ کے ارشاد کے بموجب اس کا ترجمہ قارئین برہان کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ سمینار گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے چودھویں صدی ہجری کے اختتام کی تقریبات کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔

(ماجد علی خاں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقالہ میں بحث کرنا چاہتا ہے۔

دراصل لفظ "الدین" جو کہ پورے مذہب اسلام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کے دو جز ہیں:- (۱) دین۔ (۲) شریعت۔ دین کا تعلق بنیادی اصول وضوابط سے ہے گو کہ دین کی تشریحات مختلف پیغمبروں نے (اپنی شریعت کے مطابق کیں) اس کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی۔ دین بنیادی طور پر حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا جیسا کہ قرآن میں بھی متعدد جگہوں پر اس پر زور دیا گیا ہے۔

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے اس میں وہ قوانین وضوابط ہوتے ہیں جن کا مدار دین پر ہوتا ہے۔ گو کہ عملی اعتبار سے دین وشریعت کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا تاہم شریعت میں تھوڑی سی لچک اور نرمی ہوتی ہے تاکہ کسی خاص قوم کی ضرورت اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق ضروری قوانین وضوابط بنائے جا سکیں۔ قرآن کریم نے اس خاص نقطۂ نظر کو بھی واضح کر دیا ہے۔ "الدین" کے متعلق قرآن کہتا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)

ترجمہ: "اس (اللہ) نے تمہارے لیے وہ دین ٹھہرایا جس دین پر نوح (علیہ السلام) کو چلنے کا حکم دیا اور جس دین کا حکم ہم نے تجھ کو (اے محمدؐ) بذریعہ وحی عطا کیا۔ اور جس دین کا ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ (پیغمبروں کو) حکم دیا۔ (سب سے یہی کہا تھا) دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ (اے پیغمبر) جس (دین) کی طرف تو مشرکوں کو بلاتا ہے وہ ان پر بہت گراں ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت کے لیے قرآن میں مذکور ہے :-

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط (المائدہ ۵: ۴۸)

ترجمہ : " ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک راہ اور شریعت دی ہے "

اس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہر پیغمبر کو دو مقاصد سے مبعوث کیا گیا : (۱) اپنے سے پہلے پیغمبر کے " الدین " کی تصدیق کرے؛ (۲) اُس قانون (شریعت) میں ضروری ترمیمیں اور تبدیلیاں کرے جو اس سے پہلا پیغمبر لایا تھا۔ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انھوں نے اعلان کیا :

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ - (آل عمران ۳ : ۵۰)

ترجمہ : " اور (میں) تصدیق کرتا ہوں توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل کی گئی تھی اور میں اس لیے آیا (ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام ہو گئی تھیں ان کو حلال کر دوں (خدا کے حکم سے) "

وحی الٰہی کے اس عام طرز سے ایک سوال ابھرتا ہے ۔ " اگر قرآن اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں تو وہ مسائل کس طرح حل ہوں گے جو زمانہ کی ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد رونما ہوں گے ؟ " اس کا جواب ہے " اجتہاد کے ذریعہ "، لیکن قبل اس کے کہ اس کی مزید تشریح کی جائے یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن نے یہ صاف صاف کہا ہے کہ اللہ نے " الدین " کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مکمل کر دیا ہے ۔ (سورۃ المائدۃ ، آیت ۵؍۳) لیکن شریعت کے متعلق اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ " الدین " جو کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریح اور وضاحت کی ہے ہر اعتبار سے کامل ہے اور اس میں ہر زمانہ کے اندر لوگوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن شریعت جس میں کہ قوانین وضوابط ہوتے ہیں قدرتی طور پر اس حیثیت کی حامل نہیں ہوگی کیونکہ حالات زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل درپیش ہوں گے جن کی وجہ سے قرآن وسنت کی روشنی میں نئے ضوابط بنائے جائیں گے اور پرانے قوانین میں تبدیلی کی جائے گی۔" اسی ضرورت کے پیش نظر اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت اجتہاد کیا ہے جب آپؐ کو فوری اور وقتی ضرورت کے تحت مختلف مسائل کو حل کرنے میں وحی الٰہی سے صاف رہنمائی نہیں ملتی تھی۔ علاوہ ازیں صحابہؓ کو بھی اس وقت اجتہاد کرنے کی ترغیب دی گئی جب کہ اس کی ضرورت پیش آئی۔

جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنایا گیا تھا وہ روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے اُن ضوابط کے متعلق دریافت فرمایا جن کو سامنے رکھکر وہ وہاں پر فیصلہ کریں گے۔ انھوں نے جواب دیا "قرآن کے قانون سے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دریافت کیا۔ "اگر تم قرآن میں (کسی مسئلہ کا حل) نہ پاؤ تو کیا کروگے؟" انھوں نے عرض کیا۔ "(اس صورت میں) میں سنت کی طرف رجوع کروں گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر معلوم کیا۔ "اگر تم سنت میں بھی (حل) نہ پاسکے تو (کیا کروگے؟" انھوں نے کہا "(اس صورت میں) میں اپنے اختیار (رائے) کا استعمال کروں گا"۔ اس کوشش کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ آپؐ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر فرمایا۔ "تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے اپنے رسولؐ کے رسول (پیغام رساں) کو اس طرح ہدایت دی جس طرح کہ اس نے چاہا"۔

غایت اور مقصد اب ہم اجتہاد کے مطلب اور غایت پر غور کرتے ہیں۔ اجتہاد لفظ "جہد"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مشتق ہے جس کا لغوی مطلب سعی یا کوشش کرنا ہے۔ اصطلاحاً اس کا مطلب ہے: "کسی فقیہہ کا کسی (مشتبہ یا نا قابل حل) مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں اپنی دماغی صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر طریقہ پر استعمال کرنا" اس طرح ان مسائل میں اجتہاد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جن کو قرآن وسنت میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت؛ علم الفرائض (میراث کے احکامات)؛ جھوٹی گواہی کی سزا؛ زنا کی حرمت وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا "جو کچھ حلال ہے اور جو کچھ حرام ہے اس کو صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں" ان مشتبہات میں ہی انفرادی یا اجتماعی فیصلہ (اجتہاد) کی ضرورت پڑتی ہے۔

اجتہاد کا طریقہ | اصول فقہ کے مطابق اسلامی قانون (علم الفقہ) کے چار بنیادی ماخذ ہیں:- (۱) قرآن حکیم (۲) سنت (۳) اجماع اور (۴) قیاس۔

قرآن میں جو کہ اللہ کی طرف سے براہ راست اس کے رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے چھوٹی بڑی ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن (سورۂ آل عمران) میں کہا گیا ہے آیتیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) وہ آیتیں جن میں بنیادی اور محکم احکامات صاف صاف بیان کیے گئے ہیں۔ (۲) وہ آیتیں جن کے تمثیلی معنیٰ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری قسم میں آنے والی آیتوں کے معانی و مراد مختلف لوگوں میں مختلف ہوں گے لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ان آیتوں کی کوئی ایسی تشریح کی جائے یا ایسے معانی بتائے جائیں جو محکم آیات (یعنی پہلی قسم والی آیات) کے متناقض ہوں۔

سنت بالواسطہ (خفی) وحی ہے۔ اس لیے اگر کسی حدیث کا مستند ہونا ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ قرآن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حیات طیبہ ایک اسوۂ حسنہ ہے۔ اس وجہ سے آپ کے ہر فعل اور ہر قول کا سمجھنا، اس کو سمجھانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ گو کہ حدیث کا بنیادی مقصد قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس کی وضاحت کرنا اور اس کو سمجھانا ہے تاہم ایسی (مستند) احادیث بھی قابلِ قبول سمجھی جاتی ہیں جو بظاہر قرآن کے صریح الفاظ اور اس کی روح کے منافی دکھائی دیتی ہیں۔

جہاں تک اجماع اور قیاس کا تعلق ہے یہ ایک دوسرے سے (ذرا) مختلف ہیں۔ اجماع اجتماعی اجتہاد (اتفاق رائے) کا نام ہے جبکہ قیاس انفرادی اجتہاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن میں ان کو اسلامی قانون کے مآخذ میں شمار کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی ان مواقع پر جہاں قرآن وسنت سے کسی مسئلہ کے بارے میں صاف حل موجود نہیں ہے اجماع وقیاس کے ذریعہ فیصلہ کیا ہے۔

یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ لینا ضروری ہے جو کہ ہماری آئندہ آنے والی بحث میں مددگار ثابت ہوگی کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مآخذِ فقہ (قانون) اسلامی بنیادی طور پر چار ہیں یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ لیکن پہلے دو مآخذ یعنی قرآن وسنت کو اَلاَدِلَّۃُ القَطعِیَّۃ کہا جاتا ہے جبکہ آخری دو مآخذ کی حیثیت الادلۃ القطعیۃ کی نہیں ہے کیونکہ ان دو مآخذ کی بنیاد اجتہاد پر رکھی گئی ہے اس لیے ان کو اَلاَدِلَّۃُ الاِجتِہَادِیَّۃ کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ الادلۃ الاجتھادیۃ میں غور وخوض کا دروازہ کھلا ہے تاکہ کسی مخصوص زمانہ کے حالات کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔ اس طرح مجتہد کے دو بنیادی کام ہیں:- (۱) حالات کے مطابق کسی امام یا ائمۂ اربعہ کے کیے گئے اجتہاد پر دوبارہ غور وخوض کرکے اگر کوئی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو اس کے بارے میں رائے دینا تاکہ نئے حالات کا مقابلہ کیا جاسکے۔ (۲) سماج کی جدید معاشرتی اور معاشی تبدیلیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پیش نظر نئے مسائل کا حل تلاش کرنا۔ پہلی صورت میں مجتہد کو فقہ اسلامی کے کسی مخصوص مکتب فکر کی مزید گہرائی میں جانا ہوگا۔ اگر فقہ اسلامی کے کسی مسئلہ کی بنیاد قرآن و حدیث کو بنایا گیا ہے تو مجتہد کو یہ دیکھنا ہوگا کہ حکم منصوص ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہے (یعنی منصوص ہے) تو پھر کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ قرآن میں جو کچھ کہ صاف صاف کہہ دیا گیا ہے اس میں خود پیغمبر کو بھی کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ کچھ خوانگی حالات کے تقاضہ کے تحت آپؐ نے ایک حلال چیز کو نہ کھانے کی قسم کھالی تھی جس پر قرآن میں آپؐ کو تنبیہ کی گئی اور فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۔ (التحریم ۶۶: ۱)

ترجمہ: اے نبیؐ! اللہ نے جو چیز تجھ پر حلال کی ہے تو اس کو (اپنے اوپر) حرام کیوں کرتا ہے۔"

اگر قرآن و حدیث میں بیان کردہ حکم کسی ایسی علت یا دلیل کی بنیاد پر ہے جو کہ خود قرآن و حدیث میں مذکور ہے یا کسی بڑے صحابیؓ نے اپنے قول و فعل سے اس (علت) کو واضح کیا ہے تو پھر مجتہد کو یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ علت یا دلیل جدید حالات میں قابل اطلاق ہے یا نہیں۔

اور اگر مجتہد یہ دیکھتا ہے کہ کوئی قانون نصوص قطعیہ کی بنیاد پر نہیں بنایا گیا ہے بلکہ کسی امام کے اجتہاد کا نتیجہ ہے تو اس صورت میں مجتہد کو جدید تقاضوں کے تحت اس امام سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اس امام نے کسی آیت قرآن کی تفسیر یا کسی حدیث کی تشریح اپنے اجتہاد اور اپنی رائے کے مطابق کی ہو۔ مجتہد اس تشریح کو جدید تقاضوں کے تحت عقلی دلائل سے نئے انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ بہرحال اجتہاد کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ طوفی (م ۷۱۶ھ) نے قرآن و حدیث سے تقریباً ۴۵ (پینتالیس) ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں کی تخریج کی ہے جن کی بنیاد پر مجتہد اپنی رائے دے سکتا ہے۔ ان میں سے چند اصول و طریقے جن میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یہاں پر بیان کرنا غیر ضروری نہیں ہوگا۔

"عرف" اور "استصلاح" کسی قوم و برادری کے رسم و رواج اور معاشرتی آداب کا اُس کے قوانین کی وضع میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں اور اسی طرح بہت سے اکابر علماء نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اسلام کی قانون سازی میں قرآن وسنت کی روشنی میں "العرف" کی اہمیت بتائی ہے۔ مشہور فقیہہ ابن عابدین نے اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے۔ عباسی دور کے قاضی القضاۃ اور مسلک احناف کے اہم ستون قاضی ابو یوسف نے تو یہاں تک کہا ہے "جو شخص اپنے زمانہ کے "عرف" سے واقف نہ ہو اس کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے"۔

اسی طرح "استصلاح" اور "المصالح المرسلہ" بھی چیزوں کی حسن و قبح معلوم کرنے کا ایک اہم جزہے۔ اس موضوع پر بھی فقہاء نے بحث کی ہے۔ خاص طور پر امام مالک کے مسلک میں اس کی کافی اہمیت ہے۔

وضع قانون اسلامی کے دیگر اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) الاصل فی الاشیاء الاباحۃ = اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

(۲) اذا ابتلی احد کم ببلیتین فالیختر اھونھما = اگر کوئی دو ضرر رساں چیزوں میں گھر گیا ہے تو وہ ان میں سے کم ضرر رساں چیز کو اختیار کرے۔

(۳) سد الذرائع / سد باب ذرائع الفساد = فساد کے ذرائع کا دروازہ بھی بند رکھنا چاہیے۔

(۴) الضرورات تبیح المحظورات = ضرورتیں ممنوعات کو مباح بنا دیتی ہیں۔

(۵) دفع الضرر مقدمۃ علی جلب المنفعۃ = ضرر کا دور کرنا منفعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرنے کا مقدمہ ہے۔

(۶) اَلدِّیْنُ یُسْرٌ = دین آسان ہے۔

(۷) لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ اللہ کسی کو اس کی وسعت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام (اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔ یہ بھی اسلامی قانون سازی میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں اُن چیزوں سے بھی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں جن پر غیر مسلم عمل پیرا ہوں (بشرطیکہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہ ٹکراتی ہوں۔)

امام مسلم رح نے اپنی صحیح میں ایک روایت کی تخریج کی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رضاعت کے دوران عورت سے ہمبستری کرنے پر پابندی لگانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن جب آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ فارس اور روم میں لوگ اس پر جس کو عربی میں غیلہ کہتے ہیں عمل کرتے ہیں اور اس سے عورت یا بچے (کی صحت) پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا تو آپؐ نے اپنے اس ارادہ کو ترک کر دیا۔

اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ معاشرہ کی فلاح وبہبود کا ہمارے فقہاء نے اتنا خیال رکھا ہے کہ مولانا بحر العلوم رح (م ۱۲۲۵ھ) جیسے جیّد فقیہہ نے صاف صاف کہہ دیا ہے: "اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی احکامات کی بنیاد دراصل انسان کی فلاح وبہبود ہے۔ شارع (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہی احکامات کا حکم دیا ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لیے ہیں۔" [۱]

---

[۱] شرح مسلّم الثبوت، ص ۵۴۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) بھی تحریر کرتے ہیں: "اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صرف اسی وجہ سے مبعوث کیے اور اپنی کتابیں اسی لیے نازل کیں کہ لوگ عدل و انصاف قائم کریں عدل و انصاف اور مساوات ہی دراصل آسمان و زمین کو قائم رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی عدل و انصاف کے آثار موجود ہیں وہاں پر اللہ کے مذہب اور طریقہ کے آثار بھی (یقیناً) موجود ہیں۔ اللہ جو کہ حکیم اور عادل ہے ایسا نہیں کرسکتا کہ انصاف کے کچھ طریقوں کو نازل کردے اور جب انصاف کے کچھ اور طریقے سامنے آئیں تو ان کو رد کردے۔" [1]

وہ مزید تحریر کرتے ہیں: ۔ "اللہ کا مقصد بندوں کے درمیان عدل وانصاف اور امن کا قیام ہے جس طریقہ کے ذریعہ عدل و انصاف قائم کیا جائے گا وہی دین ہوگا اس کو دین کے خلاف نہ کہا جاتے گا۔"

ممکن ہے ہم میں سے کچھ لوگ ابن قیمؒ کے ان خیالات کو انتہا پسند اور سخت سمجھیں لیکن اگر اس حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ اس حد تک آگے نہیں بڑھے ہیں جیسا کہ خیال کیا جارہا ہے۔

فقہ کا نشو و نما اور ارتقاء اب تک ہم نے یہ دیکھا کہ اسلام میں قانون سازی کس طرح کی جاتی ہے۔ اس کے بنیادی اور فروعی ماخذ کیا ہیں اور ان کو کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اجتہاد کا طریقہ اور اس کی حد کیا ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فقہ کی ابتداء کس طرح ہوئی اور اس کا ارتقاء کیسے ہوا تاکہ ہمیں تاریخ فقہ اسلامی کا کچھ اندازہ ہوسکے۔ اپنی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی مسلمانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا واحد ذریعہ تھی۔ وہ اپنے مختلف معاملات میں اور مسائل کے حل کے سلسلے میں آپؐ کی طرف ہی رجوع ہوتے تھے۔ آپؐ کے اقوال و افعال، اسی طرح آپؐ کی تقریر

---

[1] الطرق الحکمیۃ فی السیاست الشرعیۃ، ص ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(یعنی کسی صحابیؓ کے عمل پر آپؐ کا سکوت جس کا مطلب آپؐ کی پسندیدگی تھا) کو قانون کا درجہ حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی فقہ اسلامی کا ایک اور ماخذ یعنی استخراجِ مسائل واستدلال جبکہ کسی قانون کی وضاحت موجود نہ ہو بھی ظاہر ہو چکا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جس کا مطلب وحی الٰہی، چاہے وہ جلی ہو یا خفی، کا منقطع ہو جانا تھا، مسلمانوں نے اسی پر اکتفا کیا جو کہ انھوں نے اپنے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سیکھا تھا۔ یا آپؐ سے سنا تھا اور قانون سازی کے وہی طریقے انھوں نے اختیار کیے جن کی منظوری آپؐ نے دی تھی یا جن کو آپؐ نے پسند کیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مملکت اسلامیہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے کچھ حصوں تک پھیل گئی۔ فتوحات اور سیاسی اقتدار کی وسعت کی وجہ سے مختلف زبانوں، تہذیبوں اور تمدنوں کے لوگ کثیر تعداد میں ایک ساتھ ایک ہی جھنڈے کے نیچے ایک حکومت کے تحت رہنے سہنے لگے۔ اس مخصوص معاشرتی ومعاشی صورت حال کی وجہ سے بڑی کثیر تعداد میں نئے نئے مسائل ابھرے۔ اس زمانہ میں حجاز کا معاشرہ اب سے باہر ممالک کے معاشرے سے مختلف تھا۔ حجاز کا خطہ دوسرے ممالک سے الگ تھلگ تھا۔ جب کہ نئی مملکت اسلامیہ کے) دوسرے حصے وسیع المشرب تھے جن میں ملے جلے لوگ آباد تھے اس لیے مدینہ منورہ کے فقہاء جن کے سرخیل امام مالکؒ تھے، کے سامنے وہ صورت حال اور پیچیدہ مسائل نہیں تھے جن کا سامنا فقہاء عراق یعنی امام ابو حنیفہؒ (اور ان کے اصحاب) کو کرنا پڑتا۔ اس لیے امام مالکؒ مدینہ منورہ کے عرف اور تعامل پر ہی قانع رہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کو (نئے مسائل میں) قیاس اور اجتہاد کے دوسرے طریقوں سے جن کو کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کام لینے کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا۔ اس فرق اور طریقۂ کار میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء کے ان دونوں گروہوں کے فتاویٰ میں بھی کافی بُعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گیا اور ان کو دو مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا۔ اصحاب الرائے یا استدلال پسند (عقلیت پسند) اور المحدثون یا اصحاب العقید تا۔ اس کا سہرہ امام مالکؒ کے سر بندھتا ہے باوجودیکہ وہ اپنے دور کے ممتاز محدثین میں سے ایک تھے انھوں نے دوسرے گروہ دینی اصحاب الرائے یا فقہاء) کے پیش نظر حالات کا جائزہ لیا اور اس کو سمجھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے عباسی خلیفہ کی اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ اُن کی کتاب المدونۃ الکبریٰ کو کعبہ کی دیوار پر (لکھوا کر) لٹکوا دیا جائے۔ جو اس بات کا اعلان سمجھا جاتا کہ مملکت اسلامیہ کے تمام مسلمان اب امام مالکؒ کے مذہب (مسلک) کو ہی اپنائیں۔ جب ان کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو انھوں نے خلیفہ سے کہا کہ وہ اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دے اور اپنی اس رائے کے سلسلہ میں انھوں نے دلائل بھی دیے۔

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ فقہاء عراق کے سامنے جو مسائل تھے اور جن حالات سے وہ دوچار تھے وہ اُن سے بالکل مختلف تھے جن کا سامنا فقہاء مدینہ کو کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد عرب کے اندر اپنے وطن کو چھوڑ کر عرب سے باہر دوسرے ممالک میں جاکر آباد ہو گئی تھی۔ اس طرح فقہاء عراق کو قرآن و سنت کے علم سے استفادہ کے زیادہ مواقع حاصل تھے۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ نے یہ فرمایا کہ ان حالات اور اُن کے معاشرہ کے مخصوص مسائل کو سمجھے بغیر جن میں دوسرے حصّوں کے مسلمان رہ رہے ہیں یہ کیس طرح ممکن ہے کہ ہمارے خیالات کو ان پر ٹھونس دیا جائے۔

عربوں کی فتوحات اور دوسری قوموں سے ان کے اختلاط کے نتیجہ میں عمل اور رد عمل کا یہ سلسلہ دوسری اور تیسری صدی میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اس لیے تاریخ اسلام کا یہ بہت ہی اہم دور ہے۔ کیونکہ یہی وہ دور ہے جس میں ایک طرف تو حدیث کی تدوین کا کام ہوا اور دوسری طرف اس دور کے ممتاز اور اکابر فقہاء نے فقہ اسلامی کی تدوین کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کیا۔ امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) امام مالک بن انس (۹۰ یا ۹۷ھ تا ۱۷۹ھ)، امام شافعیؒ (۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ تا ۲۴۱ھ) وہ چار مشہور فقہاء ہیں جن کے مکاتبِ فکر کچھ سیاسی مقاصد اور مقامی ضروریات کے پیشِ نظر عالم اسلام میں مقبول ہوئے اور پروان چڑھے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اور فقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہوا لیکن ان کے مکاتبِ فکر مقبول نہ ہوسکے۔ ان میں سے داؤد بن علی الظاہری، الاوزاعی، سفیان ثوری اور ابوثور بہت مشہور ہوئے۔ امام شافعی کا شمار عالم اسلام کے بڑے فقہاء میں سے ہوتا ہے وہ پہلے فقیہہ ہیں جنھوں نے باقاعدہ اصول الفقہ کی تدوین کی اور وہ اس علم کے موجد ہیں۔

ہفیننگ لکھتا ہے "امام شافعیؒ ایک ایسی چیدہ شخصیت کے حامل تھے جنھوں نے اپنے دور کے اہل الرائے اور محدثوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا۔ انھوں نے نہ صرف قانون سازی کے ان ذرائع کا استعمال کیا جو اس دور میں رائج تھے بلکہ اپنی کتاب "الرسالہ" میں قانون سازی کے اصول و قواعد بھی مرتب کیے ظاہر ہے اس موضوع پر ان اصول و قواعد کی حیثیت حرف آخر کی نہیں ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انھوں نے مستقبل میں اجتہاد کے لیے راستہ آسان کردیا۔ اپنی تصانیف میں ان اصول و قواعد پر بعد میں آنے والے بہت سے علماء و فقہاء نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، ان کو سمجھایا ہے اور ان پر دیگر (انفرادی) اضافے بھی کیے ہیں۔ ان میں سے کافی کام ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ حال میں عربی کتابوں کی ایک بڑی تعداد خاص طور پر مصر میں مطبوعہ کتابوں میں اس موضوع پر بہت اچھے اور مفید مباحث سامنے آئے ہیں جن سے اس موضوع پر کافی روشنی پڑتی ہے اور جو ہمارے مقصد کے لیے بہت معین و قیمتی ہیں۔"[لہ]

(باقی آئندہ)

لہ Cited by A.A.A. Fyzee in his book "Outline of Muhammadan Law", P 24.

۴۰

© rasailojaraid.com